پاکستان میں امن اور مذہبی برداشت کا فروغ: مسلم فکر کو درپیش چیلنجز

ڈاکٹر محمد ریاض محمود*

ڈاکٹر احسان الرحمن غوری**

Abstract

Pakistan has great and unique significance because of its particular religious, political, geographical, economic and industrial background. As an ideological Islamic state, it guarantees peace, basic human rights, religious tolerance, religious equality and the protection of private and public property. Even with this particular prospective, it is facing numerous problems related to social peasce and security. The issues of terrorism, extremism, suicidal attacks, target killing, invading the Armed Forces and law enforcing agencies,the breaking of prisons, challenging the writ of the state, religious torture and kidnapping for ransom are such serious crimes which are yet to be addressed and overcome seriously. The solution of such issues related to social peace and security is extremely necessary for the survival, integrity, progress and soliderity of Pakistan. The Muslim Thought is facing multi-dimentional challenges to achieve these universal objectives based on everlasting peace, love and harmony. The non-seriousness of the political parties, incomplete and ineffective constitutionalization, non - eligible executive, complicated judicial system, the puppet media, irresponsible narratives of Jihaad, lack of pluristic awareness, religious sectarianism and socio-economic inequality are some cruel hurdles which have not yet allowed the promotion and maintainence of social peace and religious tolerance. The study and analysis of the ideological and practical challenges are necessary for the scholars and intellectuals who are interested in the survival and integrity of Pakistan as well as the renaissance of the Muslim Thought and its solidarity. This research article has been presented in this literary and scholarly background.

Keywords: Harmony,IslamicState,Jihad,MuslimThought,Pakistan,Peace, Religious Tolerance,Sectarianism,Terrorism,Torture.

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات(dr.riazmahmood@uog.edu.pk)

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور(Ihsanghauri@gmail.com)

ا۔ موضوعِ تحقیق کا پسِ منظر اور اس کی مذہبی، سیاسی اور عسکری اہمیت

پاکستان جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے جسے مذہبی، سیاسی، عسکری اور جغرافیائی اعتبار سے ممتاز و منفرد مقام حاصل ہے، چونکہ اس کا قیام برِ صغیر کے مسلمانوں کی تاریخ ساز جدو جہد اور بے مثال قربانیوں کا نتیجہ ہے اس لئے اس کی نظریاتی بنیاد اسلام کے لازوال اصولوں پر رکھی گئی ہے۔اسلامی نظریہء حیات سے متعلق اس مخصوص پسِ منظر میں یہ ملک امن، بنیادی انسانی حقوق، عدل، خوشحالی، انسانی دوستی، عدمِ تعصُّب اور تمام مذہبی گروہوں کے ساتھ مساوی سلوک کا ضامن ہے۔ان کثیر الجہات خصائص کے حصول کے لئے ہمیشہ اسلامی فکر و فلسفہ سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ بلا شبہ اسلام تعمیر وترقی اور خیر وعافیت کا دین ہے نیز یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ہر دور اور ہر علاقے میں انسانوں کو عزت واحترام اور امن وامان فراہم کرنے کے لئے شاندار اقدامات کئے ہیں۔ پاکستان کی مختلف حکومتوں نے بھی اس اسلامی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے خاطر خواہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں اخوت و خیر خواہی کا فروغ، مذہبی اقلیتوں اور غیر ملکیوں کا تحفظ، عبادت گاہوں کا احترام، اسلحہ کی غیر قانونی نقل وحمل پر پابندی اور مختلف مذہبی، نسلی اور لسانی گروہوں کے درمیان عدل ومساوات کے قیام پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

آئینی، قانونی، سیاسی اور سماجی شعبہ جات میں بھرپور اور مسلسل اقدامات کے باوجود فکر مندی اور افسوس کا پہلو یہ ہے کہ پاکستان امن وامان کے حوالے سے تاحال بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ بہت سے ایسے حساس اور سنگین نوعیت کے جرائم ہیں جن پر قابو پانے میں مختلف حکومتیں ناکام ونامراد ٹھہری ہیں۔اس شرم ناک بے بسی کا ہی نتیجہ ہے کہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کا جادو سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ مسلح افواج، قانون نافذ کرنے والے اداروں، عبادت گاہوں، غیر ملکیوں اور تعلیمی اداروں پر حملے ہو رہے ہیں۔آرمی پبلک سکول پشاور پر حملے نے تو انسانیت کا سر شرم سے جُھکا دیا ہے۔ پروفیسرز، ججز، دانشوروں، شاعروں اور فن کاروں کو خوفناک دھمکیاں مل رہی ہیں۔مذہبی تعصُّب پر مبنی تشدد اور ریاست کی اتھارٹی کو چیلنج کرنا کوئی بڑی بات نہیں رہ گئی۔کالعدم تنظیموں کا سرِ عام اپنی سرگرمیاں جاری رکھنا، جیلیں توڑ کر خطرناک قیدیوں کو فرار کرانا، اغواء برائے تاوان، توہینِ مذہب کے ناجائز الزامات، یہ وہ بھیانک واقعات ہیں جن میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔مذہبی اقلیتیں اور مسلمانوں کے بعض مخصوص مذہبی گروہ شدید قسم کے عدمِ تحفظ کا شکار ہیں۔خوف اور گھیراؤ جلاؤ کے اس ماحول نے پاکستان کو داخلی اور خارجی محاذوں پر ایک مشکل اور پریشان کن صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے۔امن وامان، احساسِ تحفظ اور بنیادی انسانی حقوق کو لاحق ان پیچیدہ اور خطرناک مسائل کا فوری خاتمہ پاکستان کی بقاء وسالمیت کے لئے اشد ضروری ہے۔ خیر وفلاح پر مشتمل ان اہداف کے حصول میں مُسلم فکر کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے۔اہلِ نظر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وطنِ عزیز میں اسلامی تعلیمات کی تفہیم وتعمیل پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، ہر دور میں احتساب کا فقدان نظر آتا ہے، غیر ملکی مداخلت ایک مستقل مسئلہ ہے، قیامِ امن کے لئے عالمی اداروں کی کارکردگی مایوس کن رہی ہے، ستم ظریفی یہ ہے کہ اہلِ مغرب کی اکثریت نے مسلمانوں کی امن کے

لئے کی گئی کوششوں کی تحسین کے بجائے ہمیشہ ان پر دہشت گردی کا الزام لگایا ہے، عوام کی اکثریت مذہبی تکثیریت کے اُصول و آداب کا کوئی شعور نہیں رکھتی، میڈیا بعض معاملات میں کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتا ہے اور غیر ذمہ دارانہ کردار ادا کرتا ہے اور بعض اوقات تو ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ میڈیا درست طریقے سے اور جرأت مندی کے انداز میں کوئی خبر نشر کرنا چاہتا ہے مگر حکومتی و سیاسی دباؤ کے تحت خبر کو روک لیا جاتا ہے اور غیر مناسب پسِ منظر میں خبر دے دی جاتی ہے، مذہبی فرقہ واریت نے سارے ملک کو گھیر رکھا ہے، ملک کی سماجی و معاشی حالت غیر متوازن ہے، اکثر جہادی بیانیے غیر تحقیقی اور عالمی طاقتوں کے شر انگیز کھیل کا حصہ ہیں، حکومت اور سیاسی جماعتوں کی غیر سنجیدگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ، دہشت گردی کے خاتمے اور قیامِ امن کے لئے کی گئی قانون سازی مطلوبہ نتائج کے حصول سے عاری ہے، انتظامیہ نا اہل جبکہ عدالتی نظام سُست اور پیچیدہ ہے علاوہ ازیں سب سے خطرناک رُجحان یہ ہے کہ مذہبی عدمِ برداشت نے اب جامعات کا رُخ کرلیا ہے، ان مسائل کی موجودگی میں امن کا قیام ممکن نہیں ۔ان نظریاتی اور عملی نوعیت کے چیلنجز کا مطالعہ و تجزیہ پاکستان کی سلامتی اور مُسلم فکر کے احیاء و استحکام کی خواہش رکھنے والے اہلِ دانش اور محققین کے لئے نہایت ضروری ہے۔اسی علمی و فکری پسِ منظر میں موضوعِ تحقیق کے طور پر "پاکستان میں امن اور مذہبی برداشت کا فروغ: مسلم فکر کو درپیش چیلنجز" کا انتخاب کیا گیا ہے۔

پاکستان میں امن اور مذہبی برداشت کے فروغ سے متعلق مُسلم فکر کو درپیش چیلنجز ایک ایسا موضوع ہے جس کی مذہب، سیاست، تاریخ، قانون اور انسانی حقوق کے اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔اسلام میں امن کی اہمیت اور اس کے دیگر مذہبی و سماجی پہلوؤں پر جو کُتب دستیاب ہیں اُن کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین ندوی مفتاحی اور ان کی مجلس ادارت کے دیگر ارکان کی پیش کردہ کتاب "اسلام اور امن عالم" پچاس علماء اور دانش وروں کے مقالات کا مجموعہ ہے جس میں اسلامی نقطہء نظر سے امن، دہشت گردی اور تشدد کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔[1] مولانا مفتی محمد ظفیر الدین ندوی مفتاحی کی دوسری کتاب "اسلام کا نظامِ امن" ہے جس میں نسبتاً تفصیل سے اسلام کے تصورِ امن کی وضاحت کی گئی ہے۔[2] تنویرِ جہاں کی مرتبہ کتاب "رواداری" ممتاز دانش وروں کی تئیس تحریروں اور دستاویزات کا مجموعہ ہے جس میں تھیوکریسی، بنیاد پرستی، تعصّب، مذہبی نارواداری، سیکولرازم، مذہبی انتہا پسندی ، تشدد، توہین رسالت اور اقلیتوں ایسے اہم موضوعات پر مفید اور عصری معلومات دی گئی ہیں۔[3] اعجاز احمد فکرال کی کتاب "ضرورتِ امن " عمومی معلومات اور تاثرات پر مشتمل ہے۔[4] سلطان شاہد کی کتاب "دہشت گردی (ملکی اور عالمی سطح پر) "اہم واقعات اور ان کے تجزیات پر مشتمل ہے۔[5] مجاہد الحسینی کی کتاب "رسول اللہ ﷺ کا نظامِ امنِ عالم" سیرت اور امن کے تعلق کی بہترین وضاحت کرتی ہے۔[6] میاں علاؤالدین کی کتاب "دہشت گردی ایک مسلسل خطرہ "جذباتی انداز میں لکھی گئی ہے۔[7] ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی کتاب " رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبرِ عدل و

امن" سیرتِ رسول اللہ ﷺ اور امن کے باہمی تعلق پر واقعات کا بہترین مجموعہ ہے۔مذکورہ کتاب عشقِ رسول ﷺ، ادبیت اور تحقیق و تنقید کے اوصاف سے متصف ہے۔[8] حفیظ احمد بزدار کی علمی کاوش کے نتیجے میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی مرتبہ کتاب "انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے رواداری، دلیل پسندی اور انسانی حقوق کی تعلیم کی اہمیت "آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں سڑسٹھ مقالات کو شامل کیا گیا ہے۔انسانی حقوق ،انتہا پسندی، ریاست، میڈیا، تعلیم ، جمہوریت ، پاکستان میں بین المذاہب ہم آہنگی اور عدمِ برداشت کے عنوانات کے تحت یہ مقالات ترقی پسند فکر کے حامل دانش وروں نے تحریر کئے ہیں۔[9] ڈاکٹر فادر جیمز چنن اوپی کی کتاب " محبت کا راستہ (مسیحی مُسلم مُکالمہ کی جدّو جہد) " پاکستان میں مذہبی آزادی اور اس کے نتیجے میں تخلیق ہونے والے امن کے مختلف پہلوؤں پر مشاہدات و تجربات کا مرقع ہے۔[10] مولانا بدر القادری کی کتاب "اسلام اور امنِ عالم " تحقیقی نوعیت کی ہے اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔اس میں عدل پر مبنی اسلامی تعلیمات،اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کے تحفظ میں قراردادوں، جہاد، اسلام کے نظامِ سزااور سیرت رسول ﷺ کے امن پر مشتمل واقعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔[11] وجاہت مسعود کی کتاب "بنیادی پرستی کیا ہے؟" علمی و فکری گہرائی پر مشتمل ہے،اس میں بنیاد پرستی کے پسِ منظر میں امن کو لاحق خطرات اور ان کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔[12] ڈاکٹر عبد الحئی ابڑو کی مرتبہ کتاب " معاشرے کے استحکام میں رواداری کا کردار " سات اردو، چھ عربی اور تین انگریزی مقالات کا مجموعہ ہے۔یہ مقالات ۲۱ اور ۲۳ جنوری ۲۰۱۴ء کے دوران اسلام آباد میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں پیش کئے گئے۔کتاب میں اقلیتوں کے حقوق، فقہی اعتدال،آدابِ اختلاف،انتہا پسندی کے خاتمے اور امن قائم کرنے کی دیگر علمی و عملی تدابیر پر تحقیقی و تنقیدی انداز میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔[13] ڈاکٹر محمد امتیاز ظفر کی انگریزی کتاب "Violence, Terrorism and Teachings of Islam" چار ابواب پر مشتمل ہے،[14] اس میں قرآن ،حدیث اور دیگر مصادرِ شریعت کی مدد سے تشدد ،دہشت گردی، جنگ، خود کش حملوں اور شہادت پر اسلامی نقطہ ءِ نظر کی خوب صورت اور مربوط وضاحت کی گئی ہے۔

امن کے قیام اور اس کے مختلف پہلوؤں پر جامعات میں بھی تحقیقی کام ہوا ہے۔پی ایچ ڈی کی سطح پر جو تحقیقی مقالات پیش کئے گئے ہیں اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مختار احمد کا "A Comparative Study of The Teachings of Christianity and Islam on Peace"[15]

کے عنوان سے مقالہ ہےعلاوہ ازیں محمد ماجد خان کا مقالہ بعنوان "معاشرتی امن و اصلاح میں مسلم خواتین کا کردار: پہلی صدی ہجری کا مطالعہ "[16] اور جمشید علی کا مقالہ بعنوان " یہودیت ، عیسائیت اور اسلام میں امن، صلح اور جنگ کی جدو جہد کے تصور کا مطالعہ " نہایت اہم ہیں۔[17]

ایم فل علومِ اسلامیہ کے لئے جو مقالات لکھے گئےان میں سے دو مقالات موضوع زیرِ بحث سے متعلق ہیں۔طاہر شاہ نے گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ سے "عہدِ خلفاء راشدین میں قیام امن کی حکمت عملی: تحقیقی مطالعہ "کے عنوان سے چار ابواب پر مشتمل تحقیقی مقالہ پیش کیا۔اس میں خلفائے راشدین کے ان کارناموں کا تذکرہ ہے جو قیامِ امن کا باعث ہوئے۔[18] شگفتہ نوید کا" غزوات و سرایا کا قیامِ امن میں کردار: تحقیقی مطالعہ "کے عنوان سے مقالہ ہے۔[19] چار ابواب پر مشتمل مقالہ میں امن کا مفہوم، غزوات و سرایا کا تعارف، ان میں قیامِ امن کی تدابیر اور مستشرقین کے اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔کُتب اور تحقیقی مقالہ جات کے علاوہ نجی حیثیت سے شائع ہونے والے علمی و فکری مجلات کے مضامین بھی موضوع زیرِ بحث پر عصری اور جدید ترین معلومات کے حوالے سے رہنمائی کرتے ہیں۔اس ضمن میں الشریعہ (گوجرانوالہ)، تجزیات (اسلام آباد) اور البرہان (لاہور) کا علمی معیار قابلِ ستائش ہے۔

مندرجہ بالاکُتب اور مقالہ جات امن کے معنی و مفہوم،اس کی ضرورت و اہمیت، قیامِ امن کے لئے اسلامی حکمت ہائے عملی خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں لیکن یہ سارا علمی و تحقیقی مواد اُن چیلنجز پر بحث نہیں کرتا جو مُسلم فکر کو پاکستان میں قیامِ امن کے ضمن میں درپیش ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اُن مسائل و تحدیات اور رکاوٹوں کا جائزہ لیا جائے جو قیامِ امن کے صالح مقصد کی راہ میں حائل ہیں نیز مختلف اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے اور امن کے لئے ایک قابلِ عمل ضابطہء اخلاق پیش کیا جائے۔اس مخصوص علمی و فکری، سیاسی و سماجی اور نظریاتی پسِ منظر میں مقالہ ہذا کی صورت میں پیش کردہ تحقیقی و تجزیاتی کام عصری افادیت کا حامل ہے۔اُمید ہے کہ مقالہ میں زیرِ بحث آنے والے نکات کی تشریح و توضیح سے پاکستان میں امن کی راہ ہموار ہوگی خصوصاً جامعات سے عدمِ برداشت ،انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہوگا۔

مقالہ ہذا میں تحقیق کے لئے بیانیہ اور تجزیاتی طریقہء کار کو اپنایا گیا ہے۔کُتب، تحقیقی مقالہ جات، تحقیقی مضامین ،مختلف نوعیتوں کی رپورٹس،اخبارات ورسائل اور انٹرنیٹ کی مدد سے مواد حاصل کیا گیا ہے۔مقالہ ہذا کو پانچ اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے جُزو میں موضوعِ تحقیق کا تعارف پیش کیا گیا ہے،اس ضمن میں تمہیدی مباحث کے بعد اُن کُتب اور تحقیقی مقالہ جات کا جائزہ لیا گیا ہے جو اس موضوع سے متعلق دستیاب ہیں،بعد ازاں مقالہ ہذا کے عنوانات سے متعلق کی گئی داخلی تقسیم واضح کی گئی ہے۔دوسرے جُزو میں قیامِ امن اور مذہبی برداشت کے فروغ کی مُسلم روایت کا جائزہ لیا گیا ہے،اس ضمن میں لفظ امن کے مفہوم نیز قرآنِ مجید، حدیث مبارکہ، سیرت النبی ﷺ اور تاریخ اسلام میں اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے جُزو میں اُن دس اہم چیلنجز کا تجزیہ کیا گیا ہے جو مُسلم فکر کو پاکستان میں قیامِ امن کے ضمن میں درپیش ہیں۔چوتھے جُزو میں دس اہم سفارشات پیش کی گئی ہیں جن پر عمل کرکے امن اور مذہبی برداشت کے فروغ کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔پانچویں جُزو میں خلاصہء بحث تحریر کیا گیا ہے۔

۲۔امن اور مذہبی برداشت کے فروغ کی مُسلم روایت

"امن" عربی زبان سے ماخوذ لفظ ہے جس کے لغوی معانی میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ عمومی طور پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت اس سے مُراد لی جاتی ہے۔[20] امن اور اسلام کا باہمی تعلق اس نسبت سے بھی واضح ہے کہ لفظ "اسلام" کا اپنا معنی بھی سلامتی، صلح اور رضا مندی ہے۔[21] یوں ان دونوں لفظوں کے مفاہیم میں چین، سکون، آرام، پناہ، جنگ اور بے یقینی کی صورتِ حال سے آزادی، آسودگیء قلب، سازگار فضا، سماجی تعاون واشتراک اور احترامِ باہمی شامل ہیں۔اس جامع تصور کا تقاضاہے کہ قیامِ امن کے لئے حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں اقدامات کئے جائیں۔اس ضمن میں اسلام نے تعلیم وتربیت، عدل، مساوات، اخوت قانون کی بالا دستی، اجتماعی اداروں کی تشکیل، اخلاقی اقدار، رواداری، احتساب، رائے عامہ کا احترام، تحقیق اور سزا و جزا کا نظام ایسے کثیر الجہتی اقدامات کا اہتمام کرنے کی تلقین کی ہے۔ یقیناً ان تعلیمات کا بنیادی ہدف انسانوں کے لئے ایک مثالی معاشرے کی تشکیل ہے جس میں ہر کسی کی جان، مال، آبرو اور دیگر حقوق محفوظ ہوں۔اس مخصوص پس منظر میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اسلام کی ساری عمارت اور اس کے نقش ونگار کی خوبصورتی امن و امان، انسان دوستی اور تحمل و برداشت کے دم سے قائم ودائم ہے۔قرآن، حدیث، سیرتِ طیبہ اور فقہ اسلامی نے اس خوبصورتی کو چار چاند لگانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔امن، صُلح، آزادیء فکر و عمل اور ہم آہنگی کا درس دیا گیا۔[22] جبکہ فساد، ظلم، تکلیف، تشدد اور دل آزاری سے منع کیا گیا۔[23] بتایا گیا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔[24] فساد پھیلانے والوں کو قتل کرنے یا سولی پر لٹکانے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے یا اُن کو ملک بدر کرنے کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ ان کے لئے دُنیا میں رسوائی ہے جبکہ آخرت میں بڑا عذاب ہے،[25] ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا،[26] ناجائز قتل کرنے والے کو جہنمی اور لعنتی قرار دیا گیا،[27] مقتول کا قصاص لینے کا اختیار دیا گیا۔[28] انسانیت کے احترام کو بہر صورت یقینی بنانے کے اقدامات کئے گئے، لوگوں کا مذاق اڑانے، گالی دینے اور ناپسندیدہ ناموں کے ساتھ پکارنے سے منع کیا گیا۔[29] مذہبی رہنماؤں کے احترام کی تعلیم دی گئی،[30] حکم دیا گیا کہ لوگوں سے اچھی بات کرو،[31] دشمن سے بھی عدل کرو،[32] کینہ اور حسد سے بچنے کی تعلیم دی گئی، رحم کی اہمیت پر زور دیا گیا، معاف کردینے کے فضائل بتائے گئے۔[33] الغرض اسلام نے قیامِ امن کی راہ ہموار کرنے کے لئے انسانی فکر و عمل کے ہر گوشے سے متعلق ہدایات دی ہیں۔حلف الفضول، مؤاخات، میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، معاہدہء نجران، فتح مکہ اور خطبہء حجۃالوداع، پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے وہ روشن پہلو ہیں جن کے مطالعہ سے اسلام کے تصورِ امن اور اس کی حکمتوں کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

مسلمانوں نے ہر دور میں قیامِ امن کی نبوی حکمتِ عملی اور اس سے وابستہ عظیم الشان روایات کو زندہ رکھا ہے۔اس ضمن عہدِ خلافتِ راشدہ کو اساسی حیثیت حاصل ہے، خلفائے راشدین نے معاشرتی امن کو قائم رکھنے کے لئے طویل

جدوجہد کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مرتدین، مانعین زکوۃ اور جھوٹے نبیوں کے پیدا کردہ فتنوں کو حکمت وجرأت کے ساتھ حل کیا۔[34] عہدِ فاروقی میں بھرپور مشاورت پر مبنی نظام حکومت، صوبوں اور اضلاع کی تقسیم، احتساب، پولیس، جیل، بیت المال کے محکمہ جات کا قیام، نئے شہروں کی آبادکاری اور فوج میں اصلاحات کو امن وامان سے متعلق حکمت عملی کے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔[35] حضرت عثمان نے امن و امان اور نظم ونسق کی بہتری کے لئے مزید صوبے بنائے، مرکزی نظامِ حکومت میں نئے محکموں کا اضافہ کیا، نظامِ احتساب مضبوط کیا، عراق کی زمینوں کو تقسیم کیا، گورنروں اور افسروں کی کارکردگی پر نظر رکھنے کے لئے مرکزی نگران مقرر کئے اور سرحدوں کی حفاظت کے نظام کو مزید مستحکم کیا۔[36] حضرت علی کو امنِ عامہ کے حوالے سے کڑے امتحان سے گزرنا پڑا۔ تین اعصاب شکن اور افسوس ناک جنگیں آپ پر مسلط ہوئیں مگر انتظامی طور پر آپ کی کارکردگی میں ضعف نہ آسکا۔ سیاسی حکمت کے تحت آپ کو دورِ عثمانی کے تمام صوبوں کے گورنروں کو برطرف کرکے اپنے نئے گورنر مقرر کرنا پڑے۔ یہ مسلمانوں کے داخلی انتشار کا دور تھا، یاد رہے کہ اب تک خلافت کے منصب پر فائز ہونے والے تینوں اصحاب نے شہر رسول ﷺ یعنی مدینہ منورہ کو اپنا پایہء تخت بنایا تھا۔ اس کے برعکس حضرت علی نے مدینہ کے تقدس کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کوفہ کو دار الخلافت بنایا۔ قیامِ امن کے ضمن میں کئے گئے اقدامات میں اس فیصلے کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ خلافتِ راشدہ کا تیس سالہ دور مجموعی طور پر امن وامان اور انتظامی اقدامات کے حوالے سے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے، اس شاندار عہد میں پُر امن معاشرت کی تشکیل کے لئے ادارے بنائے گئے۔ ادارہ جاتی منصوبہ بندی کا ہی نتیجہ تھا کہ علوم وفنون میں ترقی ہوئی اور اسلامی تہذیب کو استحکام نصیب ہوا۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اُموی وعباسی حکمرانوں نے پولیس اور اس کے متعلقہ اداروں کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کئے۔ حضرت امیر معاویہ نے جرائم کی روک تھام اور سماجی دشمن طبقات کی سرکوبی کے لئے متحرک کردار ادا کیا۔ آپ کے عہد میں خوارج اور سبائی عناصر کافی دب چکے تھے مگر یہ لوگ خُفیہ طور پر کام کررہے تھے۔ آپ کے حکم سے ان دونوں تحریکوں کے تمام مشتبہ افراد کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے اور ان پر کڑی نظر رکھنے کے لئے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کئے گئے۔[37] اسی طرح عباسیوں میں ابو جعفر منصور، ہارون، مامون، معتصم اور متوکل بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔[38] فتنہ وفساد اور بغاوتوں کے خاتمہ میں انہوں نے کمال درجہ کی حکمت عملی کو اختیار کیا۔[39]

اسپین کی مسلم حکومت، خلافتِ عثمانیہ اور ہندوستان کی مختلف مسلم حکومتوں نے بھی امنِ عامہ اور انتظامِ حکومت کے ضمن میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ خلافتِ عثمانیہ کے حوالے سے عثمان خان، اور خان، مراد اول، بایزید یلدرم، محمد فاتح اور سلیمان اعظم کے نام بڑے ممتاز ہیں۔ ان کی انصاف پسندی، انتظامِ سلطنت، پولیس اور سراغ رسانی کا نظام مثالی تھا نتیجتاً انسانی حقوق کی فراہمی اور امن وامان کی صورتِ حال بہت تسلی بخش تھی۔[40] ہندوستان میں سلاطینِ دہلی کی

عدل گستری اور فراہمیءِ امن کی حکمت تاریخی حقائق سے ثابت ہے۔ قطب الدین ایبک، سلطان التمش، رضیہ سلطانہ ،بلبن اور علاؤالدین خلجی وہ معروف نام ہیں جنہوں نے قضاء، حسبہ اور کوتوال کے محکموں کو امنِ عامہ کے لئے متحرک وفعّال رکھا۔ مغل حکمرانوں میں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگزیب کا نظامِ سلطنت مثالی قرار دیا جا سکتاہے۔ انہوں نے میر بخشی، قاضی، محتسب، کوتوال، عامل، اور داروغہ ڈاک چوکی کے ذریعے عوام کو عدل اور امن فراہم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ خصوصاً غیر مسلموں کو رعایات دینے میں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا، یہی وجہ ہے کہ اس دور میں امن وامان کی صورتِ حال نہایت تسلی بخش رہی۔[41]

قابلِ غور علمی نکتہ یہ ہے کہ تاریخ کے جس دور میں بھی مسلمانوں کو امن وامان کے حوالے سے کوئی مسئلہ پیش آیا انہوں نے اس کے عملی حل سے قبل شرعی، علمی، فقہی اور اجتہادی پہلوؤں پر غور ضرور کیا۔ عہدِ رسالت میں جو یہودی سردار نقصِ امن کا باعث تھے حضور ﷺ نے اُن کے بارے میں مشاورت فرمائی اور مناسب کاروائی کا حکم ارشاد فرمایا۔[42] عہدِ صدیقی میں مرتدین، مانعینِ زکوۃ اور جھوٹے نبیوں کے پیدا کردہ فتنوں کو ختم کرنے کے لئے شریعت واجتہاد کے مطابق فیصلے کئے گئے۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ نے اپنے اپنے طریقہء کار کے مطابق خوارج اور سبائیوں کے خلاف کاروائیاں کیں۔ مسلمانوں کی علمی رویت کے پسِ منظر میں یہ بہت ضروری ہے کہ آج پاکستان کو امن وامان کے حوالے سے جن چیلنجز کا سامنا ہے اُن کا علمی، فکری اور اجتہادی حل تلاش کیا جائے۔ اسلام کی عدمِ تفہیم، غیر ملکی مداخلت، عالمی اداروں کے کردار، اہلِ مغرب کا رویہ، فرقہ وارانہ مباحث، غیر تحقیقی جہادی بیانیے، انتظامی وعدالتی کمزوریاں اور مذہبی عدمِ برداشت ایسے مسائل ہیں جن کا حل تلاش کیا جانا مُسلم فکر کے ارتقاء واستحکام کے لئے نہایت ضروری ہے۔

۳۔ پاکستان میں امن اور مذہبی برداشت کے فروغ سے متعلق مُسلم فکر کو درپیش چیلنجز

اقوامِ عالم خصوصاً اسلامی دُنیا میں پاکستان کو بڑی اہم حیثیت حاصل ہے، چونکہ یہاں کی صورتِ حال کا براہِ راست اثر بین الاقوامی سیاست، مسلمانوں کے عالمی اداروں، عالمی تجارتی منڈیوں اور چین، ایران، افغانستان اور بھارت ایسے اہم ممالک کی داخلی وخارجی پالیسیوں پر پڑتا ہے اس لئے یہاں امن وامان کے قیام واستحکام کا تعلق بھی مختلف الجہات اُمور سے ہے۔ اس ضمن میں افکار ونظریات کی تفہیم، عالمی اور قومی اداروں کی کارکردگی اور مذہبی اقلیتوں سے متعلق حکمتِ عملی کو بڑا دخل حاصل ہے۔ اس پسِ منظر میں پاکستان کے داخلی حالات خصوصاً امن سے متعلق معاملات کو جن خطرات وخدشات اور چیلنجز کا سامنا ہے اس کی تفصیل ذیل کی سطور میں زیرِ بحث لائی جاتی ہے۔

i. اسلامی فکر وفلسفہ کی تفہیم وتعمیل میں ابہامات:

کسی بھی قوم کے اجتماعی فیصلے اور اعمال اُس کی فکر اور نظریہ کے تابع ہوتے ہیں۔اس لئے فکر اور اس کی روح کا درست اور بروقت فہم ہی اقوام کو منزلِ مقصود سے ہمکنار کرتا ہے۔ مُسلم اُمہ بالعموم اور پاکستان کے مسلمان بالخصوص آج تک فکری و نظریاتی محاذ پر ابہامات و خدشات کا شکار ہیں۔اس ذہنی کشمکش کو اس پسِ منظر میں سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ طے ہی نہیں کیا گیا کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون ہمارا دوست۔ایک طرف کچھ لوگ تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کی مسلح کاروائیوں کو غلط خیال کرتے ہیں تو دوسری طرف اُن کے حامی بھی موجود ہیں۔ابھی تک ہمارے ہاں اچھے طالبان اور بُرے طالبان کی اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں۔ کسی کو معلوم ہی نہیں کہ ان گروہوں سے مذکرات ضروری ہیں یا ان سے ہونے والی جنگ کو اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھایا جائے۔ملک میں ہونے والے فوجی آپریشنز کے معاملہ پر عسکری و سیاسی قیادت میں کتنا رابطہ یا ہم آہنگی موجود ہے، ٹی ٹی پی جہاد کر رہی ہے یا دہشت گردی میں ملوث ہے، خود کش حملے شرعی اعتبار سے جائز ہیں یا ناجائز، ایسا کرنے والے نجات دہندہ ہیں یا انسانیت کے دشمن و قاتل۔اس ذہنی انتشار اور فکری زبوں حالی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ اسلامی، اجتہاد خصوصاً جہادی تصورات کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔پانچ دس افراد اپنے تئیں جہاد کی کوئی مخصوص تعریف و تعبیر کر لیں اور مخصوص طرز کی مسلح کا روائیوں کا آغاز کر دیں تو پاکستان کے مذہبی ماحول میں وہ آسانی سے مقبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔جہاد کیا ہے، یہ کب کیا جاتا ہے، اسے دہشت گردی سے الگ کس طرح رکھا جاسکتا ہے، ریاست اس ضمن میں کس اختیار کی حامل ہے، جہاد سے متعلق فکری غذا فراہم کرنے والے حقیقی ادارے کون سے ہیں، یہ وہ سنجیدہ سوالات ہیں جو پاکستان میں جہاد کے نام پر بدامنی پھیلانے والے افراد سے کئے جانے ضروری ہیں۔نصوصِ شریعہ کی تعبیرات میں اختلاف کی گنجائش اپنی جگہ پر مگر اس کی کچھ حدود بھی یقیناً موجود ہیں۔ریاست اور اس کے متعلقہ اداروں کو نظرانداز کرکے بزورِ بازو کسی انقلاب کا خواب دکھانا کسی صورت بھی مُسلم اُمّہ کے اجتماعی مفاد میں نہیں، اسلام اور جہاد کے نام پر بدامنی، غیرت اور حریتِ فکر کے نام پر دہشت گردی اور انقلاب کے نام پر استحصال ایسی حکمتِ عملی ہے جو انسان دشمنی اور مذہب کی حقیقی رُوح سے متصادم ہے۔اس صورتِ حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی فکر و فلسفہ کی درست تعبیر و تشریح کو رواج دینے کے لئے ریاست اور مسلم امہ کے دیگر اجتماعی ادارے شعوری اور سنجیدہ کوششیں کریں اور اس تصور کو فروغ دینے کی ہر ممکن منصوبہ بندی کریں کہ اسلام امن کا ہی دوسرا نام ہے۔اس عزم کی پختگی میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ امن ہر انسان کا بنیادی حق ہے چاہے اس کا مذہب، عقیدہ، رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور فکر و خیال کچھ بھی ہو۔مذہبی، قومی اور سماجی شعور کی یہ تحریک صرف اسی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب مذہب کی تعبیر و تشریح کرنے والے علماء و فضلاء اس کی وسعت و گہرائی کو پوری یکسوئی اور متانت سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

ii. غیر ملکی مداخلت اور اس پر عالمی اداروں کی مجرمانہ خاموشی

پاکستان جغرافیائی طور پر دُنیا کے ایک اہم اور حساس حصے میں واقع ہے۔ایک جانب چین ایسا کثیر آبادی پر مشتمل اور طاقت کے عالمی معیارات پر پورا اترنے کی کوشش کرنے والا ملک ہے تو دوسری جانب سُپر پاور امریکہ اور سعودی عرب کو ایک آنکھ نہ بھانے والا ایران ہے۔ایک اہم ہمسایہ افغانستان ہے جہاں گزشتہ اڑتیس سال سے آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔پہلے روس نے اپنے وسعت پسندانہ جذبات کی تسکین چاہی تو اب امریکہ یہاں اپنی انا کی ناکام جنگ لڑ رہا ہے۔علاوہ ازیں ایک اور اہم ہمسایہ ملک بھارت ہے جس کی خارجہ پالیسی ہمیشہ عالمی طاقتوں سے گٹھ جوڑ کرکے تشکیل پاتی رہی ہے،اس ملک کے ساتھ ہمیشہ ہمارے تعلقات تناؤ اور کشیدگی کا شکار رہے ہیں۔اس پسِ منظر میں پاکستان کسی سُستی اور غفلت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کو ہمیشہ اپنی مخصوص نظریاتی،مذہبی،تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کے پیشِ نظر داخلی امن و امان کے حوالے سے بہت سے مسائل کا سامنا رہا ہے۔یہاں امریکہ،برطانیہ،روس،اسرائیل،افغانستان اور بھارت کی خفیہ ایجنسیاں فتنہ و فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہی ہیں اور مختلف تعصّبات کو ہوا دینے کے مذموم مقاصد کے حصول میں ملوث پائی گئی ہیں۔عسکری قیادتوں پر حملے،سقوطِ ڈھاکہ،سندھ اور بلوچستان کی پاکستان سے علیحدگی کی منصوبہ بندیاں،خود کش حملے،بم دھماکے،پاک چین اقتصادی راہداری کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا اور گوادر پورٹ کے خلاف سازشیں کرنا ایسے قابلِ مذمت اقدامات ہیں جن کے لئے یہ خفیہ ایجنسیاں کئی سالوں سے مصروفِ عمل ہیں۔یہ ایجنسیاں مقامی لوگوں کے ضمیر کو خرید کر پاکستان کے خلاف سازشیں کرتی ہیں۔ایجنسیوں کا یہ بھیانک کردار اربابِ فکر و دانش کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے علم و فکر،جرأت و ہمت اور اسباب و ذرائع کی مربوط فراہمی اشد ضروری ہے،نظریاتی تربیت اور مالی وسائل کی ہم آہنگی سے ہی بد امنی پھیلانے کی ان خفیہ کوششوں کا سدِّباب کیا جاسکتا ہے۔مختلف ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کی کاروائیوں کے اسباب،نتائج اور اثرات کا مطالعہ کیا جائے تو عالمی اداروں کا کردار بڑا مایوس کن نظر آتا ہے۔کون سا عالمی ادارہ ہے جو امریکہ کی خارجہ پالیسی کے طے شدہ مقاصد سے پوری طرح واقف نہیں۔اسرائیل کی ناجائز بالادستی کا جواز فراہم کرنا،دُنیا کے تیل پر قبضہ کرنا،دُنیا کے بحری اور تجارتی راستوں پر قبضہ کرنا،اسلام کے سیاسی تصورات کی تباہی،روس اور چین کی قوت کو نقصان پہنچانا،ایران کے گرد گھیرا تنگ کرنا،بھارت کو علاقہ میں بالادست کرنا اور افغانستان میں حقیقی نمائندہ حکومت کا راستہ روکنا،یہ تمام اہداف ہر وقت امریکی ایجنسیوں کے زیرِ نظر ہیں۔ان اہداف کے حصول کے لئے پاکستان کو غیر مستحکم کرنا،فرقہ واریت میں مبتلا رکھنا،لسانی اور علاقائی تعصّبات کو ہوا دینا اور بدامنی کو مسلط کرنا بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔پاکستان مخالف خُفیہ ایجنسیوں کی مکمل رہنمائی بھارتی ایجنسی "را" کرتی ہے۔امن اور خوش حالی کے خلاف اس غیر ملکی سازش پر عالمی ادارے عمومی طور پر خاموش رہتے ہیں۔اس مجرمانہ خاموشی کی ایک اہم مثال عالمی عدالتِ

انصاف کا وہ فیصلہ ہے جو تیرہ ججوں نے متفقہ طور پر کلبوشن یادیو کے بارے میں دیا ہے۔[43] غیر ملکی مداخلت اور اس ضمن میں عالمی اداروں کا نامناسب رویہ ایک عملی نوعیت کا چیلنج ہے جسے آئین، قانون، ریاست وحکومت اور عالمی سیاست کے ماہرین کی توجہ سے حل کیا جاسکتا ہے۔

iii. اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC) کی ناقص کارکردگی

اسلام ایک آفاقی دین ہے اس لئے یہ انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔ مسلم ریاست کا تصور بھی بنیادی طور پر ایک اجتماعی اور مشترکہ نظام کی حتمی شکل ہے۔ مسلم ریاست اپنے شہریوں کو امن اور بنیادی حقوق فراہم کرنے کی پابند ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مسلم ریاستوں نے اپنے داخلی و خارجی امن کو قائم و مستحکم کرنے کے لئے شعوری اقدامات کئے ہیں۔ رواں صدی میں مسلم ریاستوں کے اجتماعی وجود کا نام ہی اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC) ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اپنے قیام سے لے کر آج لمحہء موجود تک اس تنظیم کے نمائشی پہلوؤں کا قصیدہ تو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے مگر حقیقت اور اثر پذیری کے میدان میں مایوسی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی۔ مسلمان ممالک کے نمائندہ ادارے کی حیثیت سے اس کا کردار نہایت قابلِ رحم ہے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہوگیا، ۱۹۸۲ء میں لبنان پر اسرائیل نے حملہ کر دیا، ۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے افغانستان میں آگ اور خون کا ایک نیا کھیل کھیلا، عراق پر ظلم ہوا اور وہ امریکہ کے ہاتھوں لُٹ گیا، یہ تنظیم اپنا کوئی مؤثر کردار ادا نہ کرسکی اور خاموش تماشائی بنی رہی۔ کسی بھی قومی و ملی حادثے پر مظلوم مسلمانوں کو ظالم سے بچانہ سکی۔ خود پاکستان کے اندر ہونے والی دہشت گردی کی کاروائیوں میں جن مسلم ممالک کے باشندوں نے قابلِ نفرت اور مشکوک کردار ادا کیا اُن کی تفتیش اور تعاقب میں بھی یہ تنظیم کارکردگی کے کسی اوسط درجے کے معیار کو بھی حاصل نہ کرپائی۔ نام نہاد جہاد کے نام پر بہت سے مسلمان ملکوں کے باشندے بھی آج پاکستان میں موجود ہیں، وہ خود کش حملے کرتے ہیں، افواج پاکستان اور پولیس کو نشانہ بناتے ہیں اور خوف وہراس کا ماحول پیدا کرنے کے لئے دشمن کے ایجنڈے پر کاربند ہیں۔ اوآئی سی نے پاکستان کو خارجی کے ساتھ ساتھ داخلی محاذ پر بھی مایوس کیا ہے۔

iv. اہلِ مغرب کا مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام

اسلامی تعلیمات امن کا درس دیتی ہیں اور انسانی حقوق کے احترام و تحفظ کے لئے ہر ممکن قدم اٹھانے کی دعوت دیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ظلم، فتنہ اور فساد کو ناپسند کیا ہے۔ان حقائق کے برعکس بعض مغربی طاقتوں کی طرف سے مسلمانوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ عملی نوعیت کے اس الزام کے پسِ منظر میں اہلِ مغرب کی وہ علمی و فکری تحریک ہے جسے ہم استشراق کے نام سے جانتے ہیں۔استشراقی فکر کے تحت مغربی اہلِ علم نے مسلمانوں کے علوم وفنون، زبان وادب اور مذہبی اقدار کا مطالعہ کیا۔اس مطالعہ کا مقصد تحقیق

کے نام پر اسلام، قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، تصوف، علم کلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ کا اس انداز میں تجزیہ پیش کرنا تھا کہ نسلِ انسانی ان بابرکت اور رہنما ذخائر سے متنفر ہو جائے۔ مکر و فریب پر مشتمل اس تحریک نے اسلام میں علمی مغالطوں کی تلاش شروع کی، پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف الزامات سے بھری ہوئی کُتب منظرِ عام پر آئیں، ان میں مذہبی و سیاسی تعصّب سے کام لیا گیا۔ گزشتہ دو صدیوں میں اسٹینلے لین پول، ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ، ڈاکٹر اسپرنگر، ایڈورڈ ولیم لین، اے۔ جے وینسنک، جی۔ سٹرینج، ایڈرین ریلینڈ، این پلاسیوس، ڈی۔ گینچ، فلپ کے ہٹی، اے۔ آر۔ نکلسن، کارل بروکلمان، گولڈ زیہر، جوزف شاخت، ڈبلیو۔ سی۔ اسمتھ، منٹگمری واٹ اور سر ولیم میور سمیت سینکڑوں ایسے مغربی علماء اور مفکرین ہیں جنہوں نے اسلام، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مسلمانوں پر بے جا الزام تراشی کی ہے۔ ان مستشرقین کی ایک بڑی اکثریت نے مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دیا ہے۔ آج دُنیا میں کسی جگہ بھی کوئی دھماکہ ہو جائے تو فوراً مغربی ممالک کے عوام اور حکمرانوں کی نظریں مسلمانوں کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ امریکہ کی موجودہ سیاسی قیادت نے تو دہشت گردی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کو سمجھ رکھا ہے اور امریکہ میں مسلمانوں کے داخلے اور وہاں قیام کو کڑی پابندیوں سے مشروط کر دیا ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ جب پاکستان میں کوئی دہشت گردی ہو تو عالمی میڈیا بھی یہی پروپیگنڈا کرتا ہے کہ یہ صرف مقامی افراد کی کاروائی ہے۔ دُنیا یہ تسلیم کرنے کو ہی تیار نہیں کہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی بیرونی عناصر کے اشاروں پر ہو رہی ہے۔ اسی حقیقت سے انکار نہیں کیا جانا چاہیے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیاں کسی بھی دوسرے ملک سے زیادہ ہیں مگر مسلمانوں پر بدامنی پھیلانے اور دہشت گردی کرنے کا الزام اس قدر راسخ کر دیا گیا ہے کہ پاکستان اپنے داخلی امن کو قائم رکھنے میں جن مسائل کا شکار ہے عالمی برادری ان مسائل کے خاتمے میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی۔ عالمی برادری کا یہ دوہرا معیار اخلاقی اقدار کے منافی ہے۔ پاکستان میں قیامِ امن کو جن عوامل سے خطرات لاحق ہیں اُن میں مغربی اقوام کا یہ پراپیگنڈا بھی شامل ہے۔

v. مذہبی تکثیریت کے اُصول و آداب کا عدم شعور

امن کا براہِ راست تعلق کسی ملک کی مذہبی صورتِ حال خصوصاً مذہبی تکثیریت کی اہمیت کے احساس سے ہے۔ دُنیا میں مختلف مذاہب کا وجود ایک حقیقت ہے، مختلف الخیال لوگوں کا ایک جگہ مل کر رہنا خاص آداب کا تقاضا کرتا ہے، ان آداب کی اہمیت اور ان کے اثرات سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ ایک کثیر المذاہب معاشرت میں کس طرح امن کے خواب کو شرمندہء تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس سوال کا جواب عالمی اور قومی سطح پر تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اختلافی اُمور میں باہم سنجیدہ مکالمہ کرنا، انسانی مسائل کا مشترکہ حل تلاش کرنا، اخلاقی اقدار کی پاسداری کے لئے مل جُل کر کام کرنا، نفرت کے جذبات کو کم کرنا، دوسرے مذاہب کے بارے میں غیر حقیقی تصویر پیش کرنے سے گریز کرنا، سیاسی حالات کو سب کے لئے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کرنا، غلط فہمیوں کو دور کرنا، امن و امان کو بہر صورت

قائم رکھنا، باہمی اختلافات کو صُلح کی میز پر حل کرنا، شدت پسندی کو روکنا، بقائے باہم کے اصول پر رواداری کو فروغ دینا، ایک دوسرے کو احترام دینا اور برداشت کی قوت وصلاحیت کو بڑھوتی دینا، یہ مذہبی تکثیریت سے وابستہ ایسے رہنما اُصول وآداب ہیں جن کی مدد سے اقوامِ عالم نے ترقی کی معراج کو پالیا ہے، اس عالمگیر حقیقت کے برعکس پاکستانی عوام کی ایک بڑی تعداد کثیر المذاہب معاشرت کی سلیقہ مندیوں اور احتیاطوں سے ناواقف ہے۔ اس چیز کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی کہ مذہبی اقلیتوں کے ساتھ نامناسب سلوک سے ملک داخلی اور خارجی محاذ پر بدامنی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ تعصُّب، تشدد، خود کش حملے، توہین، مذہبی جنونیت اور عدمِ برداشت وہ تباہ کن راستے ہیں جو ہمیں دُنیا میں رُسوا اور بے نام ونشان کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں موجود بدامنی اور انتشار و فساد کا ایک اہم سبب مذہبی تکثیریت کی حساسیت اور اس کی اہمیت سے بے خبری ہے۔ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں پر حملے کرکے، اُن کے جلوس پر فائرنگ کرکے، اُن کے تہواروں پر خوف کی فضا مسلط کرکے اور اُنہیں سماجی احترام سے محروم کرکے کسی امن اور خوشحالی کا خواب دیکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ قیامِ امن سے متعلق اس اہم چیلنج کی تفہیم بہت ضروری ہے، ریاستِ پاکستان کے استحکام کا تقاضا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کی اہمیت اور ان کے حقوق سے متعلق قومی سطح پر سماجی شعور کی تحریک چلائی جائے اور مختلف سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں اس ضمن میں عوام کی رہنمائی کریں۔

vi. حکومت اور سیاسی جماعتوں کی غیر سنجیدگی

علمی وفکری اور نفسیاتی ونظریاتی مباحث کی اہمیت سے قطع نظر قیامِ امن کی حقیقی وعملی ذمہ داری حکومت اور اس کے ماتحت اداروں اور تنظیموں کے کندھوں پر ہے۔ اس ضمن میں حکومت کو دیگر سیاسی جماعتوں اور پریشر گروپس کا بھی تعاون حاصل ہونا نہایت ضروری اور مفید ہے، ریاستی اداروں کی حیثیت سے حکومت، مقنّنہ، عدلیہ، انتظامیہ اور میڈیا کا کردار متحرک وفعال اور باہم مربوط ومنضبط ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ان تمام اداروں کو مناسب وخوش گوار ماحول فراہم کرے نیز ان کی کارکردگی پر نظر رکھے۔ احتساب کا ایک مؤثر نظام رائج کرے۔ پاکستان میں امن کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کا ایک اہم سبب اربابِ حکومت وسیاست کا ملک کے حقیقی مسائل سے لاتعلق رہنے کی کوشش کرنا ہے۔ مسائل کی تحقیق وتفتیش اور حقائق سے پردہ پوشی حکومتوں کا وطیرہ رہا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں امن کا قائم نہ ہونا نظریاتی شکست کے مترادف ہے۔ مفاد پرستی، خود غرضی، سیاسی مصلحتوں اور غیر سنجیدگی نے پاکستان کو بدامنی اور عدمِ استحکام کی جہنم میں دھکیل دیا ہے۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ تناؤ کی کیفیت اور عالمی طاقتوں کی مداخلت نے پاکستان کے امن کو برباد کر دیا ہے۔ جبکہ ملک کے حکمران اداروں کے ٹکراؤ، ذاتی انا کی تسکین اور نمائشی ترقیاتی منصوبوں کے افتتاح میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مقنّنہ مناسب قانون سازی کرنے سے قاصر ہے، عدالتی نظام پیچیدہ اور سست ہے، انتظامیہ نااہل ہے اور دولت سمیٹنے میں شب وروز کوشاں ہے۔ احتساب نام

کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔وزراء تجوریاں بھرنے سے فارغ نہیں، دہشت گردی اور انتہاپسندی کے خاتمے کے لئے ان کے پاس کوئی قابلِ عمل منصوبہ نہیں اور اگر کسی منصوبے کا اعلان بھی کر دیا جائے تو اس پر عمل کا حوصلہ نہیں۔یہی بے فکری اور عدمِ توجہی حکومت کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کے ہاں پائی جاتی ہے۔سیاسی مفادات کے لئے جلسے، جلوس ، گھیراؤجلاؤ، ہڑتال اور داخلی و خارجی دباؤڈالنے کے مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں مگر دہشت گردی جو کہ پاکستان کا سب سے بڑامسئلہ ہے اس کے خاتمے کے لئے غور و فکر اور وسائل کا مناسب ورواں استعمال نہیں کیا جاتا۔حکومت اور دیگر سیاسی جماعتوں کے ہاں پائی جانے والی یہ سُستی، غفلت، عدمِ توجہ اور غیر سنجیدگی بڑااہم چیلنج ہے۔اس جانب معقول و مناسب توجہ دیئے بغیر ملک امن کی دولت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔

vii. فرقہ واریت

اسلام اتحاد واتفاق،اخوت ومساوات اور تعاون وہمدردی کا درس دیتا ہے۔اسلام کی واضح تعلیمات کے باوجود مسلم اُمّہ فرقہ واریت کے مسائل سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکی ۔یقیناً فکرِ مخالف سے عدمِ واقفیت،آدابِ اختلاف سے ناآشنائی، غلو، تعصُّب اور عدمِ برداشت ہی فرقہ واریت کے بنیادی اسباب ہیں۔فکر مندی میں اضافہ کرنے والاامر یہ ہے کہ پاکستان میں فرقہ واریت کا محض مذہبی پہلو ہی نہیں بلکہ اس کے بہت سے لسانی،علاقائی اور سیاسی پہلو بھی ہیں۔معاشرے میں موجود اس تقسیم نے امن کو تباہ کر دیا ہے۔قتل و غارت،اغواء،الزام تراشی،دھمکیاں اور خوف وہراس پیدا کرنے کے دیگر ذرائع نے ساری حکومتی مشینری کو ناکام کر دیا ہے۔ہر گروہ اور طبقے نے اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے، فقہی و اجتہادی اختلاف سے بات آگے نکل کر گالی، گولی، بارود اور قاتلانہ حملے تک جا پہنچی ہے۔خوف، دہشت، بے یقینی اور عدمِ اعتماد کے اس ماحول میں امن، بھائی چارے اور باہمی تعاون کو تلاش کرنا مشکل ہو چکا ہے،فرقہ واریت نے ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو بحران اور بھونچال سے دوچار کر دیا ہے۔یہ ایک ایسا چیلنج ہے جس کی ذمہ داری مذہبی طبقے پر ہی ڈالنا حقیقت سے انحراف ہے۔اس تباہی میں حکومت، بیوروکریسی اور دیگر فیصلہ ساز اداروں کا برابر کا کردار ہے۔ملک میں امن کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کیا جائے ۔اس ضمن میں حکومتی و سیاسی سطح پر اقدامات کرنا ضروری ہو چکا ہے۔علاوہ ازیں دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تدریس میں اعتدال و توازن کے عناصر کو داخل کیا جائے، متعصبانہ لٹریچر کو تلف کیا جائے، عصری تعلیم کے لئے قائم جامعات کے مفاہمتی کردار کو وسعت دی جائے، بین المسالک علمی وسماجی روابط کو بڑھایا جائے، مسلم ممالک کے فرقہ بندی پر مبنی باہمی تناؤ کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں، مذہبی وفقہی مشترکات کو فروغ دیا جائے،اختلافات کو عوام الناس میں زیرِ بحث لانے سے گریز کیا جائے،آزادیء رائے اور اس کی حدود کا لحاظ رکھا جائے،اختلاف رائے کے

اظہار کو اُصول وآداب سے مشروط کیا جائے اور تمام سماجی طبقات کی مربوط معاونت و مشاورت کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔

viii. میڈیا پر بے جا پابندیاں

میڈیا رائے عامہ کی تشکیل، پراپیگنڈے، تشہیر، پیغام رسانی اور تنظیم سازی کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں میڈیا نے پاکستان میں تعلیم، تربیت، سیاست اور سماجی اصلاح کے بہت سے شعبہ جات میں نہایت اہم اور مثبت کردار ادا کیا ہے۔ خصوصاً امن کے قیام کے لئے جرأت مندی سے کام لیا ہے۔ انسانی حقوق، بین المذاہب ہم آہنگی، اقلیتوں کے مطالبات، فرقہ وارانہ کشیدگی اور دہشت گردوں کی حوصلہ شکنی سے متعلق قومی امنگوں کے عین مطابق ذمہ دارانہ رویہ اپنایا ہے۔ معاشرے میں پھیلی بدامنی اور اس ضمن میں حکومتی غیر سنجیدگی کو میڈیا نے بارہا موضوعِ بحث بنایا ہے۔ دہشت گردی کے حقیقی اسباب کی وضاحت، فرقہ وارانہ رجحانات، لسانی تعصُّب پر مشتمل کاروائیوں اور مختلف نوعیت کے نسلی و طبقاتی امتیازات کے بارے میں سنجیدہ غور و فکر اور عملی اقدامات کرنے کا شعور میڈیا نے ہی عطا کیا ہے۔ لیکن پاکستان میں میڈیا کی حقیقی آزادی آج تک سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتی ہے، مختلف حکومتی ادارے میڈیا کو اپنے فکر وخیال کا پابند رکھنے کے لئے ناجائز دباؤ ڈالتے آئے ہیں۔ اس ماحول میں میڈیا اپنا حقیقی اور مثالی کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ میڈیا پر ناجائز دباؤ اور بے جا پابندیاں ملکی سلامتی اور فہم و شعور کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ میڈیا کی آزادی کا براہِ راست تعلق ملک میں امن وامان کی صورتِ حال سے ہے۔ میڈیا پر پابندی حصولِ امن کی راہ میں ایک بڑا چیلنج ہے، میڈیا کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ دہشت گردی اور بدامنی کے خاتمے میں میڈیا کا کردار نہایت اہم ہے۔ میڈیا کو پوری آزادی دی جائے کہ وہ ملک کی حقیقی صورتِ حال کو واضح کرسکے، بے روزگاری، غربت، جہالت، معاشی عدمِ توازن، سیاسی عدمِ استحکام، طبقاتی کشمکش، غیر ملکی مداخلت اور امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو واضح کرسکے۔ یاد رہے کہ میڈیا ہی وہ موثر ذریعہ ہے جو حکومت، پارلیمنٹ، پولیس، عدلیہ اور دیگر اداروں کی کارکردگی کا حقیقی چہرہ عوام کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ اس پسِ منظر میں میڈیا سے متعلق مختلف چیلنجز کی تفہیم بہت ضروری ہے۔

ix. غیر متوازن سماجی و معاشی حالات

امن ایک ایسے مفید اور خوشگوار ماحول کا نام ہے جہاں تعلیم، صحت، مواصلات اور روزگار کی صورتِ حال بڑی مثبت ہوتی ہے۔ جہالت، بے روزگاری، غربت اور عدمِ مساوات نے ہمیشہ بدامنی اور غیر یقینی حالات کو جنم دیا ہے۔ تعلیمی اداروں پر عدمِ توجہ، غیر متوازن اقتصادیات، امداد کے منتظر ہسپتال، ٹوٹی سڑکیں، اُبلتے گٹر، رشوت اور سفارش کا گرم بازار، کوڑا کرکٹ کے ڈھیر، انتظامی و مالی بے ضابطگیاں اور اقرباء پروری ایسے پریشان اور مایوس کرنے والے محرکات ہیں جو بدامنی پھیلانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پاکستان میں مختلف حکومتوں کے ترقیاتی اقدامات کے باوجود سماجی و معاشی

شعبہ جات میں صورتِ حال کو تسلی بخش قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مختلف شعبہ ہائے حیات میں حالات کی یہ ابتری امن و امان کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔اس خراب صورتِ حال کے اسباب کی صرف نشاندہی کافی نہیں بلکہ اصلاحِ احوال کے لئے مناسب ومؤثر منصوبہ بندی اور وافر وسائل کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مادی ترقی کا براہِ راست تعلق اخلاقی نشو ونما سے ہے، لہٰذا ایک ایسے سیاسی و سماجی نظام کی اشد ضرورت ہے جس میں اخلاقی ترقی کا اہتمام کیا گیا ہو ،لوگوں کی مادی ضروریات آسانی سے پوری ہوں، معیشت ترقی کرے، آئین و قانون کی پاسداری ہو اور جہالت و غربت کا خاتمہ ہو۔ ملک میں قیامِ امن کی کوئی تدبیر یا حکمتِ عملی اس عملی نوعیت کے چیلنج کو سمجھے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی کیونکہ معیشت و معاشرت کی بد حالی کے نتیجے میں ہی قتل، اغواء ،چوری اور ڈاکے ایسے جرائم فروغ پاتے ہیں۔ان جرائم کا خاتمہ اور امن کی بحالی کا واحد راستہ سماجی و معاشی انقلاب ہے۔

x. جامعات میں شدت پسندانہ رجحانات

جامعات تعلیم وتربیت اور تزکیہ و تعمیرِ شخصیت کے اہم مراکز ہوا کرتی ہیں۔ سماجی و تہذیبی ارتقاء کا ہر راستہ جامعات سے ہو کر گزرتا ہے۔ علوم و فنون کی تفہیم و تعبیر اور تشکیلِ جدید کا خوش گوار فریضہ بھی جامعات ہی انجام دیتی ہیں۔ مسلمانوں کی علمی روایت میں جامعات کا یہ ہمہ جہتی کردار نہایت قابلِ ستائش ہے۔اس خوبصورت اور صالح تاریخی پسِ منظر کے باوجود گزشتہ چند سالوں سے جامعات کے ماحول میں منفی تبدیلیاں آئی ہیں۔ان اداروں کی توجہ افکارِ جدید کے مطالعہ و تجزیہ سے ہٹ گئی ہے، بحث و مکالمہ کے آداب نظرانداز کر دیئے گئے ہیں، طبقاتی اور تعصّباتی فکر کو فروغ حاصل ہوا ہے،اعتدال و توازن اور تحمّل و برداشت کا شدید فقدان ہے،اجتہاد اور وسعتِ خیال مفقود ہیں،انتہا پسندی اور دہشت گردی کے موافق نام نہاد جہادی بیانیے فروغ پا رہے ہیں، دہشت گرد تنظیموں نے جامعات میں اپنے خُفیہ مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ان تنظیموں کا لٹریچر جامعات میں دستیاب ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی اشاعت کو تیز کرنے میں جامعات کے اساتذہ اور طلبہ اپنا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ یوں عسکریت پسندی، شدت پسندی اور اس ضمن میں خفیہ روابط کے بیج کلاس رومز میں بوئے جا رہے ہیں۔ مذہبی عدمِ برداشت کا ایک اہم واقعہ عبدالولی خان یونیورسٹی مردان میں پیش آیا جہاں مشال خان نامی طالب علم کو تحقیق و تفتیش کے کسی مرحلہ سے گزارے بغیر شرم ناک تشدد کرکے موت کی نیند سُلا دیا گیا۔[44] صوبائی اسمبلی سندھ میں قائدِ حزب اختلاف خواجہ اظہار پر عید کی نماز کے فوراً بعد قاتلانہ حملہ ہوا۔اس میں بھی جامعات سے وابستہ افراد کے ملوث ہونے کے اشارے ملے ہیں۔[45] ڈاکٹر شکیل اوج جن کا اپنا تعلق ایک عظیم درس گاہ سے تھا اُن کے قتل میں بھی جامعات سے وابستہ افراد اور ان کے قریبی عزیزوں کے نام منظرِ عام پر آئے ہیں۔[46] جامعات میں موجود شدت پسندی کی یہ خوف ناک لہر امن کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، جامعات کا سماج اور ریاستی اداروں کے ساتھ براہِ راست اور ہمہ وقتی تعلق ہوتا ہے۔ سماجی بہتری اور قیامِ امن کے لئے جامعات کے

نظام کی تشکیلِ نو اور اس پر گہرا غور و خوض نہایت ضروری ہے۔جامعات سے متعلق اس علمی، فکری اور عملی چیلنج کی تفہیم پاکستان میں قیامِ امن کے لئے بہت ضروری ہے۔اس ضمن میں انتظامیہ، اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کی فکری تربیت اور اُن کے کڑے احتساب کو زیرِ غور لانا ضروری ہے۔

۴۔سفارشات

۱۔اسلامی فکر و فلسفہ خصوصاً جہاد، مذہبی اقلیتوں کے حقوق، عدمِ تشدد اور اختلاف رائے کے احترام سے متعلق مستند تعبیر و تشریح کو فروغ دیا جائے۔

۲۔غیر ملکی خُفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی پر مبنی کاروائیوں کو روکنے کے لئے پاکستانی اداروں کی مناسب تربیت کی جائے اور انہیں وسائل کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

۳۔عالمی اداروں خصوصاً مُسلم ممالک سے معلومات کے تبادلے اور تعاون کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔

۴۔مُختلف علمی و سماجی طبقات میں مذہبی تکثیریت اور حُب الوطنی کے اُصول وآداب کا شعور بیدار کیا جائے۔

۵۔امن و امان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے میڈیا، دینی مدارس، کالجز، جامعات، سیاسی جماعتوں اور سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے بھرپور مہم چلائی جائے۔

۶۔ہر قسم کی فرقہ واریت اور لسانی وعلاقائی تعصّبات کو ختم کرنے کے لئے قومی ضابطہ ءاخلاق تیار کیا جائے۔

۷۔سماجی و معاشی ترقی کے لئے مربوط و مؤثر اقدامات کئے جائیں۔

۸۔جہادی تنظیموں، افغان مہاجرین اور جرائم پیشہ افراد کی نگرانی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

۹۔عدلیہ، پولیس اور امن وامان سے متعلق دیگر اداروں کو بااختیار اور فعال بنایا جائے نیز غیر قانونی اسلحہ ضبط کرنے کے لئے بھرپور اقدامات کئے جائیں۔

۱۰۔دینی مدارس، کالجز اور جامعات میں انتظامیہ، اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کی امن و امان کے حوالے سے خصوصی تربیت کی جائے اور یہاں دہشت گرد تنظیموں کے روابط پر خصوصی نظر رکھی جائے۔

۵۔خلاصہ ٔبحث

پاکستان مُسلم اکثریت کا حامل ایک اہم ملک ہے اس میں امن و امان کے قیام اور مذہبی برداشت کے فروغ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بھرپور اقدامات کئے گئے ہیں۔ان اقدامات کے باوجود صورتِ حال تسلی بخش نہیں ہے۔انتہا پسندی، دہشت گردی، خود کش حملے، اہم شخصیات کا قتل، کالعدم تنظیموں کی کاروائیاں، مذہبی تعصُّب، تشدد، جیلوں کو توڑ کر قیدیوں کو فرار کرانا اوراغواء کے واقعات روز مرہ کا معمول ہیں۔امن وامان کی یہ ابتری پاکستان کے وُجود اور اس کے استحکام کے لئے بڑی خطرناک ہے۔قیامِ امن کے لئے مسلم فکر کو جن اہم چیلنجز کا سامنا ہے اُن میں اسلامی تعلیمات کی عدمِ تفہیم، احتساب کا فقدان، غیر ملکی مداخلت، عالمی اداروں کا مایوس کن کردار، مذہبی

تکثیریت کے اُصول و آداب سے نا آشنائی، میڈیا پر بے جا پابندیاں، مذہبی فرقہ واریت، غیر متوازن سماجی و معاشی حالات، حکومت اور سیاسی جماعتوں کی غیر سنجیدگی، نااہل انتظامیہ، سُست عدالتی نظام اور جامعات میں مذہبی عدمِ برداشت کے مسائل شامل ہیں۔ زیرِ نظر تحقیق مقالہ میں ان نظریاتی و عملی چیلنجز کا تجزیہ کیا گیا اور صورتِ حال کی بہتری کے لئے جو سفارشات پیش کی گئیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی درست تعبیر کو سمجھا جائے، غیر ملکی خُفیہ ایجنسیوں پر نظر رکھی جائے، عالمی اداروں خصوصاً مسلم ممالک کی تنظیموں سے روابط کو مضبوط کیا جائے، فرقہ واریت سے بچنے کے لئے دینی مدارس، جامعات اور میڈیا کے ذریعے سماجی شعور بیدار کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] مولانا محمد ظفیر الدین ندوی مفتاحی و دیگر، اسلام اور امن عالم (مجموعہ مقالات)، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی، جنوری، ۲۰۱۰ء، صفحات ۴۵۷

[2] مولانا محمد ظفیر الدین ندوی مفتاحی، اسلام کا نظامِ امن، سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، جولائی ۱۹۸۱ء

[3] تنویر جہاں، رواداری (منتخب تحریریں اور دستاویزات)، ڈیمو کریٹک کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ، 40-D، ماڈل ٹاؤن، لاہور، جون ۲۰۰۸ء، صفحات ۱۹۰

[4] اعجاز احمد فکرال، ضرورتِ امن، ایشیا بک سنٹر، لاہور۔ س۔ن

[5] سلطان شاہد، دہشت گردی (ملکی اور عالمی سطح پر)، وطن پرنٹنگ پریس، رائل پارک، لاہور، س۔ن

[6] مجاہد الحسینی، رسول اللہ ﷺ کا نظامِ امنِ عالم، سیرت مرکز، پیپلز کالونی نمبر ا، فیصل آباد، ۲۰۰۷ء

[7] میاں علاؤالدین، دہشت گردی ایک مسلسل خطرہ، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، س۔ن

[8] ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبرِ عدل و امن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر، ۲۰۱۱ء

[9] حفیظ احمد بزدار (مرتب)، انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے رواداری، دلیل پسندی اور انسانی حقوق کی تعلیم کی اہمیت، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ایوانِ جمہور، ۱۰۷-ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، اپریل، ۲۰۱۶ء، صفحات ۳۴۶

[10] ڈاکٹر فادر جیمز چنن او پی، محبت کا راستہ (مسیحی مسلم مکالمہ کی جدوجہد)، دی ایکونز پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۱۳ء

[11] مولانا بدر الدین، اسلام اور امنِ عالم، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۱ء

[12] وجاہت مسعود، بنیاد پرستی کیا ہے؟، ڈیمو کریٹک کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ، ۲-گارڈن بلاک، گارڈن ٹاؤن، لاہور، ۲۰۰۴ء

[13] ڈاکٹر عبدالحئی ابڑو (مرتب)، معاشرے کے استحکام میں رواداری کا کردار (مجموعہ مقالات)، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء

[14] Dr. Muhammad Imtiaz Zafar , Violence, Terrorism and Teachings of Islam, Higher Education Commission, Islamabad, 2006.

[15] Mukhtar Ahmad,"A Comparative Study of The Teachings of Christianity and Islam on Peace", Thesis for Ph. D Islamic Studies, Punjab University,Lahore,Session:2007

[16] محمد ماجد خان، "معاشرتی امن واصلاح میں مسلم خواتین کا کردار: پہلی صدی ہجری کا مطالعہ"، مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، سیشن: ۲۰۱۵ء

[17] جمشید علی، "یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں امن، صلح اور جنگ کی جدوجہد کے تصور کا مطالعہ"، مقالہ برائے پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی، پشاور، سیشن: ۲۰۰۳ء

[18] طاہر شاہ، "عہد خلفاء راشدین میں قیام امن کی حکمت عملی: تحقیقی مطالعہ"، مقالہ ایم فل علومِ اسلامیہ گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ ، سیشن: ۲۰۱۲ء-۲۰۱۰ء، صفحات ۲۰۲

[19] شگفتہ نوید، "غزوات وسرایا کا قیام امن میں کردار"، مقالہ ایم فل علومِ اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، سیشن: ۲۰۱۲ء-۲۰۱۰ء، صفحات ۱۱۵

[20] لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۰ء ص ۱۸۸ وا لمعجم الوسیط، مجمع اللغة العربیة، قاہرہ، ۱۹۹۸ء، ج: ۱، ص ۲۷

[21] أبوالقاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الأصفھانی (المتوفی: ۵۰۲ھ)، المفردات في غریب القرآن، الدار الشامیة، بیروت، ۱۴۱۲ھ، باب بحث علی لفظِ سلام

[22] الانفال: ۸/۶۱، النساء: ۴/۱۲۸، الحجرات: ۴۹/۹، التین: ۹۵/۳، ابراہیم: ۱۴/۳۵، آل عمران: ۹۷-۳/۹۶، یونس: ۱۰/۲۵، الانبیاء: ۲۱/۱۰۷

[23] البقرة: ۲/۶۲، القصص: ۲۸/۷۷، الاعراف: ۷/۸۵، المائدة: ۵/۳۳

[24] نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب (المتوفی: 303ھ)، السنن، کتاب الایمان وشرائعہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء، حدیث: ۴۹۹۸

[25] المائدة: ۵/۳۳

[26] المائدة: ۵/۳۲

[27] النساء: ۴/۹۳

[28] بنی اسرائیل: ۱۷/۳۳

[29] الحجرات: ۴۹/۱۱

[30]الانعام:۶/۱۰۹

[31]البقرۃ:۲/۸۳

[32]المائدۃ:۵/۸

[33]الجاثیہ:۴۵/۱۴

[34]طبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: ۳۱۰ھ)، تاریخ الامم والملوک، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء، ج:۲، ص ۴۰-۵۰

[35]محمد حسین ہیکل، حضرت فاروقِ اعظم، مترجم: حبیب اشعر دہلوی، فکشن ہاؤس، مزنگ روڈ، لاہور، ص ۶۰-۸۰

[36]ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنھایۃ، دار إحياء التراث العربي، قاھرۃ، ۱۴۰۸ھ، ج:۷، ص ۲۰۰-۲۱۶

[37]ابنِ کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج:۸، ص ۱۳۰-۱۴۰

[38]المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین بن علی (المتوفی: ۳۴۶ھ)، مروج الذہب ومعادن الجوہر، منشورات مؤسسۃ العلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء، ج:۳، ص ۲۹۰-۳۵۴

[39]Philip K. Hitti, History of The Arabs, Macmillan Education ltd,London,1993,P.297-331

[40]مفتی زین العابدین، تاریخ ملت، آر-آر-پرنٹرز، لاہور ۲۰۱۴ء، ج:۲، ص ۳۸۴-۴۲۶، وڈاکٹر محمد عزیر، تاریخ دولتِ عثمانیہ، ناصر شہزاد پرنٹر، لاہور، ج:۱، ص ۳۱-۵۳

[41]شیخ محمد اکرام، رُودِ کوثر، ادارہء ثقافتِ اسلامیہ، ۲-کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۷۸-۴۹۲

[42]مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، الامام ابوالحسین (المتوفی: ۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل کعب بن الاشرف، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء، حدیث: ۴۶۶۴، ص ۸۰۳

[43]روزنامہ جنگ پاکستان، جولائی-اگست، ۲۰۱۷ء

[44] https://www.dawnnews.tv/news/1059006.13-09-2017-12:18AM مشعال خان کا قتل منصوبہ بندی کے تحت کی گیا

[45] http://nayekhabar.pk/2017/09/02/183445 خواجہ اظہار الحق پر قاتلانہ حملہ، دھمکیاں لندن سے مل رہی ہیں

[46] https://jang.com.pk/print/371619-todays-print13-09-2017-12:20AM پروفیسر شکیل اوج کے قتل پر اکسانے والے ڈاکٹر کا بیٹا بھی گرفتار